شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری
قدس اللّٰہُ سِرّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

دسمبر 2022ء / جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ • جلد نمبر 14، شمارہ نمبر 12 • قیمت: 30 روپے • سالانہ ممبر شپ: 350 روپے

مجلسِ ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- بنی اسرائیل کی طرف سے میثاقِ عدل کی خلاف ورزی
- دھوکے بازوں کا طرزِ عمل
- حضرت سواد بن قارب دوسی رضی اللہ عنہٗ
- طاقت و اختیارات کا ارتکاز؛ موجودہ نظام کی بنیادی خرابی
- اَخلاق کی درستگی کے لیے دس مسنون ذکر و اذکار (8)
- فلسفۂ تاریخ و عمرانیات کا بانی؛ علامہ ابن خلدونؒ (2)
- دیوالیہ کے بعد کیا ہوگا؟
- یورپ اور امریکا کے معاشی مفادات کا ٹکراؤ
- معاشرے کی ترقی کا واحد راستہ قرآن حکیم کی تعلیمات ہیں
- قرآن حکیم کا موضوع انسانی سماج ہے
- قرآن حکیم اور سماجی تبدیلی کا نظریۂ انقلاب
- قرآن حکیم کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ اس کے نظریے کو عملی زندگی کا حصہ بنائیں
- سیّد العلما حضرت مولانا سیّد احمد حسن محدث امروہیؒ
- دین کے غلبے کے لیے عشق ضروری ہے
- امسال بھی ادارہ رحیمیہ لاہور میں 17 روزہ ''دورۂ تفسیر قرآن حکیم'' کا انعقاد
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ — مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت والا نے فرمایا کہ:

''اس آیت میں (مشرکین مکہ کے اس اعتراض کا) ذکر ہے:

''مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ'' (21-الانبیاء:7)

کہ ''یہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) تو کھانا کھاتا اور بازار میں آتا جاتا ہے''۔ (اس کی روشنی میں یہ خیال (نظریہ سامنے) آتا ہے کہ وِلایت (اللہ تعالیٰ کا قرب) تھوڑا کھانے یا زیادہ روزے رکھنے اور کاروبار چھوڑ کر بیٹھنے میں نہیں، بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) عام آدمیوں کی طرح (معاشرے میں) رہنے والوں میں سے جو (بھی) ایمان، نیک کام اور تقویٰ (خداترسی اور عدل) میں بلند ہوں، وہ پیغمبروں کے مطیع (فرماں بردار) اور کاروباری (دُنیوی کام کاج کرنے والے) بھی ہوں۔ تو سبحان اللہ! (ایسے) اچھے آدمی، ولی (اللہ والے) ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ (اجتماعی) اَخلاق اور (انفرادی) عادات وغیرہ (میں بھی) اچھے ہوں''۔

(۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ/ 25ر جولائی 1948ء، بروز اتوار، مقام: رائے پور)
(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 357، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئنیز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

بنی اسرائیل کی طرف سے میثاقِ عدل کی خلاف ورزی

سورت البقرہ کی گزشتہ آیت (83) میں بنی اسرائیل سے تہذیبِ نفس کے حوالے سے عہد و میثاق اور اُن کی طرف سے اس کی خلاف ورزی اور منہ موڑنے کا تذکرہ تھا۔

اس آیت (84) میں حنیفی اُصولوں پر مبنی سماجی عدل سے متعلق بنی اسرائیل کے ساتھ کیے گئے عہد و میثاق اور اُس کی دو بنیادی اور اہم شرائط کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ (یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد و میثاق لیا تھا):

بنی اسرائیل سے دو عہد و میثاق لیے گئے، جن کی بنیاد دینِ حنیفی کے دو اَساسی اُصولوں: (1) تہذیبِ نفسِ انسانی اور (2) سیاستِ ملّی پر مبنی ہے۔ گزشتہ آیت میں پہلے اُصول؛ تہذیبِ نفس سے متعلق بنی اسرائیل سے کیے گئے میثاق (معاہدے) کا ذکر تھا، جس میں نفسِ انسانی کی تہذیب کے لیے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت، والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک، انسانیت کے ساتھ مہذب گفتگو، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا عہد شامل تھا، یہ اُمور اُن کی داخلی تربیت اور علمی اور عملی تہذیب کے لیے ضروری تھے، تاکہ وہ معاشرے میں سماحتِ نفس کا اعلیٰ خُلق حاصل کر پائیں، لیکن انھوں نے بہ حیثیتِ مجموعی اس عہد اور ذمہ داری کو پورا نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ انبیا علیہم السلام کی اولاد بنی اسرائیل کی قومی سیاست اور اجتماعی وسماجی زندگی کو منظّم کرنے کے لیے بھی ہدایات دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے بنی اسرائیل کی ایسی سیاسی طاقت پیدا کی جائے جو انسانی حوالے سے بہترین معاشرہ بنانے کے لیے سماجی عدل وانصاف کا نظام قائم کرے۔ اس آیت میں سماجی عدل پر مبنی معاہدے کا ذکر ہے اور خاص طور پر اس معاہدے کی درجِ ذیل دو اہم بنیادی دفعات بیان کی جا رہی ہیں:

(1) لَا تَسۡفِکُوۡنَ دِمَآءَکُمۡ (آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ گے):

کسی انسانی معاشرے کی ترقی اور اس میں سماجی عدل کے لیے یہ لازمی ہوتا ہے کہ جو انسان اُس معاشرے میں رہ رہے ہیں، اُن کی جان و مال کی حفاظت کی جائے۔ اگر انسانی جان اور اُس کا خون محفوظ نہ رہے اور اُن کی حرمت اور عزت کا لحاظ نہ رکھا جائے تو ایسا معاشرہ کبھی ترقی نہیں کرسکتا۔ قومی اور ملّی سیاست کے معاہدۂ عمرانی کے لیے یہ لازمی ہے کہ انسانوں کی جان اور مال کی حفاظت کا عہد کیا جائے۔ چناں چہ بنی اسرائیل سے اپنی قومی سیاست اور اُس کی ترقی کے لیے جو معاہدہ کیا گیا، اُس کی پہلی شرط یہ تھی کہ وہ انسانی جان کا احترام کریں گے، اور انسانوں کا خون نہیں بہائیں گے۔ اور دل و جان سے دوسرے انسانوں کی جان کی حفاظت کریں گے اور انھیں امن مہیا کریں گے۔

(2) وَ لَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ (نہ نکال دو گے اپنوں کو اپنے وطن سے): بنی اسرائیل سے جو میثاق لیا گیا، اس کی دوسری شرط یہ تھی کہ وہ اپنے ہی لوگوں پر ظلم وستم ڈھا کر انھیں وطن سے نکال باہر نہیں کریں گے۔ قومی ترقی اور سیاستِ ملّی کے لیے یہ اہم شرط ہے کہ انسانوں کو اپنے وطن سے ہجرت پر مجبور نہ کیا جائے۔

قومی سیاست میں سب سے پہلے انسانی جان کی حفاظت ضروری ہے اور اس کے بعد سب سے بڑا تقاضا انسانوں کے لیے امن وامان کا ایسا نظام قائم کرنا ہے کہ لوگ اپنے وطن میں پُرامن زندگی بسر کریں۔ وہاں اُن کے سیاسی اور معاشی حقوق پوری طرح سے محفوظ ہوں، جب کہ ظلم وستم کا خوف ناک ماحول، سیاسی عدمِ استحکام، بدامنی اور معاشی بھوک و اِفلاس انسانوں کو ہجرت پر مجبور کرتی ہے۔ لوگ بے وطن ہو جاتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ مہاجر اور بے وطن ہو کر کسی دوسری جگہ آباد ہونے والے کی سیاسی حیثیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ سیاسی وقار سے محروم ہو جاتا ہے اور دوسروں کے رحم وکرم پر ہوتا ہے۔ اُس کے سیاسی ومعاشی حقوق پورے طور پر باقی نہیں رہتے۔ گویا کہ بے وطنی انسانوں کی سیاسی موت کا سبب بنتی ہے، جس طرح قتل وغارت گری جسمانی موت کا سبب ہے، اسی طرح بے وطن اور مہاجر ہونا سیاسی موت کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لیے کتبِ مقدسہ: تورات، انجیل اور قرآن حکیم میں انسانیت کے قتل کی حرمت کے ساتھ ساتھ انسانوں کو ہجرت پر مجبور کرنے کی بھی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور اس کی خاص طور پر حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑے تم سے دین پر، اور نکالا تم کو تمھارے گھروں سے، اور شریک ہوئے تمھارے نکالنے میں، کہ ان سے کرو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرے، سو وہ لوگ وہی گناہ گار اور ظالم ہیں''۔ (60- المُمتحنة: 9) انسانی معاشرے میں قتلِ انسانیت کا ارتکاب اور انسانوں کو بے وطن بنانے کا جرم اتنا بڑا ہے کہ جسے اللہ تبارک وتعالیٰ اور دینِ حنیفی کے انبیا علیہم السلام کے نزدیک سماجی عدل اور سیاستِ ملّی کی انتہا درجے کی خلاف ورزی سمجھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی غیر مسلم قوم انسانیت کے خلاف ان دو بڑے جرائم کا ارتکاب نہ کرے تو اُن کے ساتھ نیکی کرنے اور عدل وانصاف کا معاملہ کرنے کا واضح حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ''اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑتے نہیں تم سے دین پر، اور نکالا نہیں تم کو تمھارے گھروں سے، کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک، بے شک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو''۔ (60- المُمتحنة: 8) یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لائے ہوئے دینِ حنیفی کے بنیادی اَساسی اُصول ہیں کہ جن کا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک تمام انبیا علیہم السلام کو ابراہیمی اتباع میں قبول کرنے کا پابند بنایا گیا ہے۔

ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَشۡہَدُوۡنَ (پھر تم نے اقرار کرلیا اور تم مانتے ہو):

انسانی سماج کی مجموعی ترقی کے لیے سماجی عدل پر مبنی ایسے ''معاہدۂ عمرانی'' (Social Contract) کا اقرار کرنا اور سب کے سامنے اُس کی شہادت دینا اور ماننا ضروری ہوتا ہے۔ چناں چہ بنی اسرائیل سے ان دو شرائط پر جو بنیادی معاہدہ ہوا، اس کا اُن سے کھلے عام اقرار لیا گیا۔ اور ان کے تمام لوگوں کو اس معاہدے کی ان شقوں پر گواہ بنایا گیا، جسے انھوں نے تسلیم کیا، لیکن ان تمام تر معاہدات کے باوجود انھوں نے اس کی خلاف ورزی کی، اور جو اس کی وجہ سے اُن پر دنیا میں ذلت ورُسوائی ہوئی اور قیامت کے دن اُن کے لیے سخت ترین عذاب کا حکم سنایا گیا، اس کی تفصیل اگلی آیت میں آ رہی ہے۔

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

دھوکے بازوں کا طرزِ عمل

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ''سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ. يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ وَ يُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ. وَ يُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ وَ يُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ. وَ يَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ'' قِيلَ: وَ مَا الرُّوَيْبِضَةُ؟ قَالَ: ''الرَّجُلُ التَّافِهُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ''. (السّنن لابن ماجة، 4036)

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب لوگوں پر دھوکے سے بھرپور زمانہ آئے گا۔ اس میں جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے گا۔ اور بددیانت کو امانت دار سمجھا جائے گا اور دیانت دار کو بددیانت کہا جائے گا۔ اور ''رُوَیبِضَہ'' (عوام الناس کے امور سے متعلق گفتگو) کریں گے''۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: ''رُوَیبِضَہ'' سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''معمولی اور کم عقل لوگ عوام کے معاملات میں بحث مباحثہ کریں گے''۔)

زیرِنظر حدیث کی رُو سے ایک دور ایسا آئے گا کہ معاشرہ اَخلاقیات سے خالی ہو جائے گا۔ سچ کا پرچار کرنے والوں اور امانت شعار لوگوں کو جھوٹا اور خائن ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ جھوٹے اور بددیانت لوگوں کو امانت دار اور سچا ثابت کیا جائے گا۔ فریبی اور دھوکے باز لوگوں کا ماحول پر اتنا غلبہ ہوگا کہ وہ حق اور سچ سے نامانوس اور اجنبی ہو جائیں گے۔ اس صورتِ حال کو ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ: ''اسلام کا آغاز اجنبیت سے ہوا اور عنقریب یہ دین پہلے کی طرح دوبارہ اجنبی ہو جائے گا''۔ (رواہ مسلم)

اس کی ایک وَجہ یہ ہوتی ہے کہ سرمایہ، خاندان اور جتھے بندی کی بہ دولت بے وُقعت لوگوں کو معاشرے میں اَثر و نفوذ مل جاتا ہے۔ یہ کم ظرف لوگ اپنے مفادات کی خاطر اختیارات کا ناجائز استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ ظلم کو عام کرتے ہیں۔ پروپیگنڈا اور جبر و تشدد کو بہ طورِ ہتھیار کے استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ بات عام کرتے ہیں کہ دُنیوی اُمور دنیاداروں کے اصولوں پر ہی چلتے ہیں۔ یوں یہ طرزِ حکومت و معاشرت لوگوں میں ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کر لی جاتی ہے، مگر نبی ﷺ اس روِش کو ناپسند فرما رہے ہیں۔

اس مہلک معاشرت کا دوسرا سبب بے شعور اور کم عقل لوگوں کا قومی معاملات میں رائے زنی کرنا ہوتا ہے۔ یہ لوگ نہ حالات کا درست ادراک رکھتے ہیں اور نہ عمومی سمجھ بوجھ، بلکہ سرمایہ پرستوں کی سرپرستی اور عوامی بے شعوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے نمایاں حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ لوگوں کی پست ذہنی حالت اور بے شعوری کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ ان کو حق و باطل کی پہچان نہیں رہتی۔ ایسے بے بصیرت لوگوں کے مقابلے پر صاحب الرائے اور مخلص لوگوں کی آواز کو دَبا دیا جاتا ہے۔ یوں سرمایہ پرستی اور علمی اجارہ داری کے بھیانک نتائج پوری قوم کو بھگتنے پہ مجبور کر دیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں نبی ﷺ اہلِ ایمان کو اس طرزِ عمل کے خلاف کردار ادا کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت سواد بن قارب دوسی رضی اللہ عنہ

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ، یمن کے قبیلہ ''دوس'' سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؓ شکل و شباہت میں انتہائی خوب صورت اور حسین و جمیل تھے۔ اسلام لانے سے پہلے آپؓ کہانت (کاہنوں) کا پیشہ اختیار کیے ہوئے تھے۔ آپؓ اعلیٰ درجے کے شاعر بھی تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے دور میں خواب میں آپؓ کو سچے خوابوں سے اسلام اور نبوتِ محمدیؐ کے ظہور کی بشارت ملی اور آپؓ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں آپؐ کی ہجرتِ مدینہ کا علم ہوا تو مدینہ منورہ آ گئے۔ آپؐ صحابہ کرامؓ کے درمیان مسجدِ نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت سوادؓ مجلسِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: ''مرحبا اے سواد بن قارب! ہمیں معلوم ہے کہ کون سی چیز آپ کو یہاں لائی ہے''۔ حضرت سوادؓ نے عرض کی کہ ہماری سرگزشت بھی سنی جائے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ: قریب آ کر سناؤ تو آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کے قریب بیٹھ کر اپنا حال اشعار میں سنایا۔ اس پر حضورؐ نے آپؓ کو اسلام کی دعوت دی۔ چناں چہ اسی مجلس میں آپؓ نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کیا اور اسلام کے داعی بن گئے۔

حضرت سوادؓ کے قبولِ اسلام سے حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ کیوں کہ دورِ جاہلیت میں اہلِ عرب کاہنوں کو بڑی عظمت دیتے تھے اور اپنے تمام بڑے بڑے معاملات اور حوادث میں ان سے رہنمائی لیتے تھے۔ آپؓ کا اسلام قبول کرنا عوام میں اسلام کی دعوت مزید پھیلنے کا اہم سبب بنا۔ کیوں کہ معروف شخصیات کے نظریہ قبول کرنے سے رائے عامہ ہموار ہوتی ہے۔

حضرت سوادؓ نے جن اشعار میں اپنی حالت حضورؐ کے سامنے بیان کی، ان کا ترجمہ درجِ ذیل ہے: (1) ''میں جانتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں اور آپؐ پوری امانت داری کے ساتھ غیب کی خبریں پہنچا رہے ہیں۔ (2) اے معزز نیک لوگوں کے بیٹے (یعنی نبی اکرمؐ)! آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام نبیوں میں قریبی وسیلہ ہیں! (3) اس لیے اے بہترین پیغمبر! آپ کے پاس جو احکام آ رہے ہیں، آپ ان کے متعلق ہمیں حکم فرمائیے۔ (4) اور آپ اس دن میرے سفارشی بن جائیں، جس دن آپ کے سوا کوئی قربت و رشتہ داری سواد بن قارب کے کام نہ آئے گی''۔ آپؐ نے حضرت سوادؓ کے یہ اشعار سن کر فرمایا: ''اے سواد! تم نے نیکی و فلاح حاصل کر لی''۔

انھی اشعار کے تتبع اور اسی وزن پر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے آپؐ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے، جس کا عنوان ہے: ''أَطْيَبُ النِّغَم فِىْ مَدْحِ سَيِّدِ العَرَبِ و العَجَم''. اس کے متعلق شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ''میرے اشعار عربی فصاحت و بلاغت میں حضرت سوادؓ کے قصیدے کو تو نہیں پہنچ سکتے، مگر ان کے ساتھ مناسبت و مشابہت ضرور رکھتے ہیں''۔ حضرت سواد بن قاربؓ کے مزید حالات تاریخ کے پردۂ خفا میں ہیں۔

(البدایہ والنہایہ، ج:2، ص:337، سیر الصحابہ، سیرتِ حلبی، قصیدہ أَطْيَبُ النِّغَم از شاہ ولی اللہ)

شذرات

طاقت واختیارات کا ارتکاز؛ موجودہ نظام کی بنیادی خرابی

پاکستان میں آج بھی سیاسی عدمِ استحکام اور معاشرتی اضمحلال اپنے عروج پر ہے۔ گزشتہ مہینے کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ ہم ایک ایسے ملک میں رہ رہے ہیں، جہاں طاقت' قومی نظام اور اداروں کے بجائے افراد اور مقامی اور عالمی گروہوں کے مفادات کے گرد گھومتی ہے۔ عسکری ادارے میں سپہ سالار کی سبکدوشی اور نئے چیف کے تقرر کے عمل نے ماحول کی ایسی تصویرکشی کی ہے، جس سے یہ سمجھنا چنداں مشکل نہیں کہ ہمارے ہاں سیاسی عمل سے جُڑی قوتیں اور جمہوری عمل کا راگ الاپنے والی جماعتیں بھی خالص سیاسی پروسیجر کے بجائے طاقت کے حصول کے لیے اپنے من پسند افراد کے تقرر میں ہی طاقت کو تلاش کرتے ہیں۔ اور ہر گروہ کی یہ خواہش رہی ہے کہ وہ اپنی مرضی کا نیا چیف لا کر طاقت کے مرکز پر اپنی گرفت مضبوط بنا لے۔

دراصل یہ خواہش ہمارے قومی نظام کی اس خرابی کی نشان دہی کرتی ہے، جس میں ہم اداروں اور افراد کے درمیان طاقت کے عدمِ توازن' پھر اس کے ذیل میں پیدا ہونے والے امتیازی سلوک اور طاقت کی چھتری تلے گروہی استحقاق کے جذبات کو سمجھ سکتے ہیں۔ کسی بھی قومی نظام کی ایک ناکامی یہ ہوتی ہے کہ طاقت اداروں کے بجائے افراد کے ہاتھوں میں چلی جائے اور افراد ایسی پوزیشن کے لیے سرگرداں رہیں، جس میں وہ ادارے کے مقابلے میں اپنی ذات میں اختیارات کو مرتکز کرنے کی کوششیں کرنے لگیں۔ کسی فرد یا عہدے میں اختیارات اور طاقت کا یہ ارتکاز بعدازاں سیاست و حکومت کے باب میں بہت سی اجتماعی خرابیوں کا باعث بنتا ہے۔ پاکستان کی سیاست اور حکمرانی کی تاریخ میں اداروں کے مقابلے میں طاقت ور افراد کے شخصی اور گروہی فیصلوں نے ہمارے ترقی کے سفر کو بُری طرح سے متأثر کیا ہے اور آج کا سیاسی درجۂ حرارت یہ بتا رہا ہے کہ اربابِ حل وعقد نے ابھی تک اس سے کچھ نہیں سیکھا۔

ہمارے ہاں ملکی نظام کا جو ڈھانچہ وضع ہو چکا ہے، اس میں طاقت کا ڈھکے چھپے انداز میں استعمال اب کوئی راز کی بات نہیں رہی۔ سبکدوش ہونے والے سپہ سالار نے بھی عسکری ادارے کی سیاسی مداخلت کا اعتراف کیا ہے اور اس کے مضمرات کو تسلیم کرتے ہوئے ایک خاص مدت سے اس سے اجتناب کی پالیسی کی وضاحت کی ہے۔ گو کہ پاکستانی سیاست میں رونما ہونے والے حالیہ واقعات ان کی اس اجتناب کی پالیسی کی تصدیق نہیں کرتے۔ خصوصاً رجیم چینج آپریشن جیسے واقعات سیاست میں فوجی مداخلت کے بدترین تسلسل کا حصہ ہیں۔

ہمیشہ کی طرح ہمارے تجزیہ نگار اس بات پر خوش فہمی کا شکار نظر آتے ہیں کہ نئے چیف کے متفقہ تقرر سے ہم سیاست میں فوجی مداخلت کے عمل سے نکل چکے ہیں اور آئندہ پاکستان میں ایسے کسی المیے کا سامنا نہیں ہوگا، جس کا ہماری سیاسی تاریخ کئی دہائیوں سے سامنا کرتی آ رہی ہے۔ ہماری رائے میں یہ خوش فہمی عارضی ٹھہرے گی اور ہمارا خیال ہے کہ جس طرح ہمارے ہاں بغیر کسی ٹھوس تبدیلی کے بہت سے معاملات میں آرزوئیں پال لی جاتی ہیں، یہ بھی ایسی ہی ایک خواہش ہے، جس کا انجام نوشتۂ دیوار ہے۔ اس لیے کہ سیاسی پارٹیوں کا خاندانی سیاست سے اوپر اُٹھ کر سول سوسائٹی کے حقوق کے تناظر میں اپنا مضبوط سول تنظیمی ڈھانچہ بنائے بغیر محض خواہش سے عسکری اور فوجی قوت کی مداخلت کو نہیں روکا جا سکتا۔ تربیت یافتہ سیاسی قیادت ہی ملکی اداروں کو قومی مفادات کے مطابق چلانے کی اہلیت کی حامل ہوا کرتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں ادارے جس عالمی طاغوتی طاقت ور ڈھانچے کے زیرِ اثر اپنی مرضی کا نظام وضع کر چکے ہیں اور اس پر ہماری سیاسی نفسیات کی تشکیل ہو چکی ہے اور عوام کے ایک مخصوص طرزِ عمل اور نفسیات سے گزشتہ پچھتر سالوں سے ہمارے اربابِ اقتدار، طاقت ور حلقے اور عالمی طاغوتی قوتیں جو نتائج لے رہی ہیں، اسے یک دم کسی خواہش کے ذریعے تبدیل کرنا ممکن نہیں۔ یہاں پر ہمارا بنیادی سوال یہی ہے کہ کیا اس خوش فہمی کو پالنے سے پہلے کسی بھی طاقت کے مرکز میں کوئی جوہری تبدیلی ہوئی ہے؟ اگر کوئی ایسی تبدیلی ہوئی ہے تو وہ کہاں ہے؟ اگر نہیں ہے تو پھر توقعات کا یہ عمل محض آرزوؤں پر کھڑا ہے، جس کی حقائق کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس سارے عمل میں خطرناک نفسیات اور طرزِ عمل اقتدار کے پیچھے دوڑنے والی ان جماعتوں اور ان کے عقیدت مندوں کا ہے کہ وہ سیاست میں فوجی مداخلت کو بُرا سمجھتے ہیں، لیکن صرف اُس مداخلت کو جو اُن کے اقتدار کے خلاف ہو۔ اگر ان کے مخالف فریق کو پچھاڑنے کے لیے فوج سیاست میں مداخلت کرے تو اسے وہ جی جان سے قبول کرتے ہیں اور اس سے کوئی بھی سیاسی دھڑا مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس حوالے سے 2018ء کے الیکشن کے بعد سے آج تک کے سیاسی رویے ہمارے سامنے ہیں۔

یہ وہ خطرناک سیاسی رویہ ہے جو کسی بھی اَخلاقیات کا اپنے آپ کو پابند کرنا نہیں چاہتا اور زبانی جمع خرچ کے طور پر ''ووٹ کو عزت دو'' اور ''حقیقی آزادی'' کے جذباتی بیانیے تخلیق کر کے قوم کو بہلانے کا عارضی سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ گویا اس باب میں ہمارے ہاں کی ساری سیاسی جماعتیں ''میٹھا میٹھا ہَپ ہَپ کڑوا کڑوا تھُو تھُو'' کی ضرب المثل پر عمل پیرا ہیں۔ یعنی ہمارے ہاں کا سیاسی ڈھانچہ گروہی اور خاندانی مفادات کی سیاست پر کھڑا ہے اور عسکری طاقت کا ڈھانچہ کہیں نہ کہیں ان قوتوں اور خاندانوں سے اپنے مفادات کی بنیاد پر جا کر جڑ جاتا ہے، جہاں پر دونوں طاقتوں کا ''پیج'' ایک ہو جاتا ہے، لیکن یہ ایک پیج کی دونوں طاقتوں کی پوزیشن کسی بھی وقت تبدیل ہو سکتی ہے، جس کے مظاہر ہم ماضی قریب میں دیکھ چکے ہیں۔ اسی لیے ہمیں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی کسی بہلاوے میں آنا چاہیے۔ ایسے مواقع باشعور نوجوانوں کے لیے ملکی اور قومی نظام کی خرابی کی نوعیت پر غور و فکر کے ہوتے ہیں، تا کہ وہ نظام کی مکمل تبدیلی کے لائحۂ عمل پر غور و فکر کر کے کوئی ٹھوس پروگرام مرتب کر سکیں۔ (مدیر)

اَخلاق کی درستگی کے لیے دس مسنون ذکر و اذکار

8

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ'' میں فرماتے ہیں:

(7۔ اللہ پر توکل اور اعتماد)

''دس مسنون اذکار میں سے (ساتواں اللہ پر) توکل ہے۔ توکل کی روح یہ ہے کہ انسانی نفس اللہ پر پورا اعتماد کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہو اور کائنات کے پورے نظام میں اُسی کی تدبیر کو جاری دیکھے۔ اور انسانوں کے بارے میں یہ مشاہدہ کرے کہ وہ اللہ ہی کے جاری کردہ نظام اور تدبیر کے تابع ہیں۔ وہ اپنے سامنے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ہر وقت مشاہدہ کرے: ''وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَۃً'' (6-الانعام: 61) (اور وہی اللہ اپنے بندوں پر قاہر اور غالب ہے، اور تم پر اپنے فرشتوں کو بھیجتا ہے)۔

نبی اکرم ﷺ نے توکل کے بارے میں درج ذیل مسنون اذکار بیان فرمائے ہیں:

(1) ان اذکار میں سے ایک یہ ہے: ''لا حولَ و لا قُوّۃَ إلّا باللّٰہ العليّ العظیم'' (گناہوں سے بچنے کی ہمت اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ ہی کی توفیق سے ہے، جو بہت بلند اور عظیم تر ہے)۔ اس ذکر کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے''۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، حدیث: 2319) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ذکر انسانی نفس میں اونچے درجے کی معرفتِ الٰہی کی استعداد پیدا کرتا ہے۔

(2) نبی اکرم ﷺ جب دشمن کے مقابلے میں کسی غزوے میں شریک ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: ''اللّٰھمّ ! أنتَ عَضُدِی و نَصِیری، بِکَ أحُولُ، و بِکَ أصُولُ، و بِکَ أُقاتِلُ''. (رواہ الترمذی وابوداود، مشکوٰۃ: 2440)

(اے اللہ! تو ہی میرا دست و بازو ہے، تو ہی میری مدد کرنے والا ہے۔ میں تیری ہی توفیق سے دشمن کی چالوں کو رَدّ کرتا ہوں، تیری ہی مدد سے اُن پر حملہ کرتا ہوں، اور تیری توفیق و نصرت سے قتال کرتا ہوں۔) یہ دعا اور اس سے ملتی جلتی مزید دعائیں بھی وارد ہوئی ہیں۔

(3) نبی اکرم ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے: ''بسم اللّٰہ، توکّلتُ علَی اللّٰہ لا حولَ و لا قُوّۃَ إلّا باللّٰہ'' (اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں، اللہ پر توکل کرتا ہوں۔ گناہوں سے بچنے کی ہمت اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔) (رواہ الترمذی وابوداود، مشکوٰۃ: 2443)

(4) نبی اکرم ﷺ یہ بھی دعا مانگتے تھے: ''أعلمُ أنّ اللّٰہَ علیٰ کُلِّ شيءٍ قدیر، و أنّ اللّٰہَ قد أحاطَ بکُلِّ شيءٍ عِلْمًا''۔ (رواہ ابوداود، مشکوٰۃ: 2393)

(میں جانتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔) انھیں سے ملتے جلتے دوسرے اذکار ہیں۔

(8۔ استغفار کرنا)

دس مسنون اذکار میں سے (آٹھواں) استغفار ہے۔ استغفار کی روح یہ ہے کہ انسان اپنے اُن گناہوں کو ملاحظہ کرے، جنھوں نے اس کے نفس کو گھیر رکھا ہے۔ اور پھر روحانی مدد اور مَلَکی فیض کے ذریعے سے اُن گناہوں کے حصار کو توڑے۔ گناہوں کے اس حصار کو توڑنے کے چند اسباب ہیں:

(1) اللہ کی رحمت اُس بندے کے کسی عمل کی وجہ سے اُس کے شاملِ حال ہو جائے:

(الف) جس سے ملاءِ اعلیٰ کی دعائیں اُس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

(ب) جمہور انسانوں کو نفع پہنچانے کے لیے کائنات میں جاری تدبیرِ الٰہی کو پورا کرنے کے لیے وہ عمل ذریعہ بن جائے۔

(ج) یا کسی غریب اور محتاج انسان کی ضرورت پورا کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

(د) یا اسی طرح کے کوئی اور اچھے اعمال کیے جائیں۔

(2) فرشتوں کی پاکیزگی اور حالت کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا اور (نفس میں) مَلَکیّت کے انوارات کی چمک کا پیدا ہو جانا اور بہیمیت کی حالت کمزور ہونے سے اُس کے شُرور و فتن کی آگ کا بجھ جانا اور اُس کی طاقت کا ٹوٹ جانا۔

(3) اللہ کی ذات و صفات کے مقامِ جبروت کی طرف متوجہ ہونا اور حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا اور اُس پر پختہ یقین پیدا کرنا۔ نبی اکرم ﷺ کے درج ذیل ارشاد کا یہی مطلب ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ''کیا میرا بندہ یہ علم رکھتا ہے کہ اُس کا ایک ربّ ہے، جو اُس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اُس کو پکڑ بھی سکتا ہے؟ اس علم اور جانکاری پر میں اپنے بندے کو معاف کرتا ہوں''۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، حدیث: 2333)

جب بندہ ان دعاؤں اور اذکار کے ذریعے سے اپنے گناہوں کو ختم کرنے کے لیے روحانی امداد حاصل کرتا ہے تو اُس کے گناہوں کے اثرات کمزور پڑ جاتے ہیں۔

(جامع ترین دعائے استغفار): ''اللّٰھُمّ ! اغفِرْ لِي خطیئتی، و جَھلِي، و إسرافِي فِي أمْرِی، و ما أنتَ أعلمُ به مِنّي، اللّٰھُمّ ! اغفرْ لِي جِدّی، و ھَزْلِي، و خطئی، و عَمْدی، و کُلُّ ذٰلک عِندِی، اللّٰھُمَّ ! اغفرْ لي ما قدّمتُ و ما أخّرتُ، و ما أسررْتُ و ما أعلنْتُ، أنتَ المُقدِّمُ، و أنت المؤخِّرُ، و أنتَ علیٰ کُلِّ شيءٍ قدیرٌ''. (متفق علیہ، مشکوٰۃ: 2482) (اے اللہ! میری خطائیں، میری جہالت اور تمام امور میں جو مجھ سے زیادتی ہوئی جسے تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، معاف فرما دے۔ اے اللہ! میں نے جو دانستہ کیا، جو بھول چوک سے ہوا اور جو کچھ عمداً کیا، یہ سب کچھ مجھ میں ہے، تو اسے معاف کر دے۔ اے اللہ! میں نے جو آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا، جو میں نے چھپ کر کیا، جو علانیہ کیا اور جسے تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، سب معاف کر دے۔ تو ہی آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔)

(سیّدُ الاستغفار): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سیّد الاستغفار'' یہ ہے:

(بقیہ: صفحہ 11 پر)

اسلامی دور کی ناقابلِ فراموش شخصیات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

فلسفۂ تاریخ وعمرانیات کا بانی؛ علامہ ابن خلدونؒ 2

ابن خلدونؒ کی علمی کاوشوں کا اگر تجزیہ کریں تو مختلف پہلوؤں سے ان کی تین حیثیتیں ہمارے سامنے جلوہ گر ہوتی ہیں:

(1) مؤرخ، (2) فلسفۂ تاریخ کا بانی، اور (3) عمرانیات (سوشیالوجی) میں پیشرو۔

جہاں تک ابنِ خلدونؒ کی تاریخ نگاری کا تعلق ہے تو انھوں نے تاریخ لکھتے ہوئے تاریخی واقعات کی صحت و سُقم جاننے کے لیے کچھ اُصول وضوابط بھی مقرر کیے ہیں۔ مثلاً انھوں نے دو باتوں کو بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے: ایک یہ کہ تاریخ میں بھی اسی طرح علت ومعلول اور استنباط کے قاعدے کو پیشِ نظر رکھا جائے جس طرح فقہ میں رکھا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ محض روایت پر اعتماد کر لینا کافی نہیں، بلکہ جب تک روایات کی چھان پھٹک نہ ہو جائے اس وقت تک واقعات کی صحت کا یقین نہیں کیا جانا چاہیے۔ مزید یہ کہ واقعات کی صحت کو جانچنے کے لیے اس عہد کے تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالات اور پہلوؤں کا بھی جائزہ لیا جائے۔

تاریخ لکھنے کا ایک تصور تو یہ ہے کہ رونما ہونے والے واقعات کو مِن وعَن تحریر کیا جائے۔ اقوام وملل، بادشاہوں اور سلاطین کی داستانِ عیش کو دیانت داری سے بیان کر دیا جائے۔ جب کہ دوسرا تصور یہ ہے کہ مؤرخ جب کوئی تاریخی دستاویز تیار کرتا ہے، وہ قوموں کے عروج وزوال کا بھی مشاہدہ کرتا ہے، جس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کون سی اقدار ایسی ہیں جن سے تہذیب وتمدن ترقی کر سکتے ہیں اور فکر وعمل کی کون سی گمراہیاں ہیں، جو ترقی کی راہ میں رُکاوٹ بن سکتی ہیں۔ تاریخ کے اسی تصور کو قرآن نے گزشتہ اقوام کے حالات وواقعات بیان کرتے ہوئے اختیار کیا ہے۔

ابنِ خلدونؒ نے بھی اسی دوسرے تصور کو اپنایا ہے۔ ان کی یہی خصوصیت ان کو دوسرے مؤرخین سے ممتاز کرتی ہے۔ تاہم تاریخ لکھتے وقت ابنِ خلدون نے اپنے ہی بعض بیان کردہ قوانین کو نظر انداز کر دیا۔ مثلاً انھوں نے عبیدی حکمرانوں کے حضرت فاطمہؓ کی اولاد ہونے کے دعوے کو قبول کر لیا ہے، حالاں کہ یہ درست نہیں۔ عبیدیوں کے دعوائے فاطمیت کا انکار صرف عباسی خلفا ہی نے نہیں کیا، بلکہ تمام بنو ہاشمؓ بلکہ سب بنو عبد مناف نے کیا ہے۔ ان کے مجہول النّسب ہونے کے بارے میں سب متفق ہیں۔

اسی طرح ابنِ خلدونؒ نے حادثۂ کربلا اور سیّدنا حسینؓ کے مؤقف کا صحیح احاطہ نہیں کیا اور نہ ہی اہلِ بیت کے مؤقف کو دیکھا۔ ان کا اس پر تبصرہ ان کی ذہنی اُلجھن کی دلیل ہے۔ اس لیے وہ مسئلہ صاف کرنے کے بجائے مزید اُلجھا گئے ہیں۔ اسی طرح نبوت کے متعلق ابنِ خلدونؒ نے جو نظریہ پیش کیا ہے، وہ بھی صحیح نہیں۔ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ابنِ خلدونؒ کے اس مؤقف کو رد کیا ہے (شعور وآگہی، ص: 338)۔ بعض اہلِ علم نے اس تضاد کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ (بقیہ: ص: 12 پر)

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، اسلام آباد

دیوالیہ کے بعد کیا ہوگا؟

آج کل خوب شور ہے کہ پاکستان دیوالیہ ہونے کی جانب تیزی سے گامزن ہے۔ چناں چہ ہمارے میڈیا اور سوشل میڈیائی دانش ور دن رات نت نئے اعداد وشمار ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ جناب اب تو قرض کی عالمی مارکیٹ میں بیمہ کمپنیوں نے بھی پاکستان کے دیوالیہ ہونے کے امکان کو سوفی صد تک پہنچا دیا ہے۔ ایسے میں ان کے چہروں پر پریشانی دیدنی ہوتی ہے۔ دوسری طرف کچھ اَور دانش ور ہیں کہ وہ ایسی تمام پیشین گوئیوں کو یکسر ردّ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور مقابلے میں اپنے آنکڑے بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیوالیہ ہونے کے بعد معلوم نہیں کون سی قیامت آئے گی، جو ابھی تک نہیں آئی۔ کیا مہنگائی ساتویں آسمان کو چھو لے گی؟ کیا بے روزگاری حد سے زیادہ بڑھ جائے گی؟ کیا جرائم میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا؟ کیا ملک کا بیش تر ذہین طبقہ ملک چھوڑنے کا قصد کر لے گا؟ کیا پاکستان غلامی کی دلدل میں پھنس جائے گا؟ کیا پاکستان میں ہمہ گیر سماجی تبدیلی آ جائے گی؟ کیا خدانخواستہ پاکستان ٹوٹ جائے گا؟ وغیرہ وغیرہ۔

قارئین اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ مندرجہ بالا ممکنات میں سے ایسا کیا ہے جو ہمارے ساتھ نہیں ہو چکا۔ ہم سب اس وقت قومی عذاب کا مزہ ایک عرصے سے چکھ رہے ہیں اور اس کے باوجود ہمارے کچھ دانش ور، مفکرین ورہنما کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ پاکستان کو کوئی دیوالیہ نہیں ہونے دے گا۔ انھیں ہماری ضرورت ہے۔ معلوم نہیں اس دیوالیہ کے بعد کیا ہوگا، جو ابھی تک نہیں ہوا۔ گزشتہ چھ ماہ سے پاکستان عملاً دیوالیہ ہو چکا ہے۔ اب تک 4 ارب ڈالر مالیتی درآمدات کی ادائیگیاں تعطل کا شکار ہیں۔ ترسیلاتِ زر میں 25% تک کمی کا امکان ہے۔ آئی ایم ایف بہادر ہم سے خوش نہیں ہے اور ملاقات سے گریزاں ہے۔ سعودی عرب اور چین کی دوستی میں اب وہ پہلی سی گرم جوشی نہیں۔ اس سب پر افغانستان جیسا مثالی طفیلیہ ہمارے گلے پڑا ہوا ہے۔ اس منظرنامے میں مقتدرہ سے تعلق رکھنے والے رہنماؤں کی کرپشن کی داستانیں اور اعصاب کو تھکا دینے والی طویل سیاسی دھینگا مشتی معاملے کو اَور بھی تباہ کن بنا دیتی ہے۔

معاملہ یہ ہے صاحبو! ہم بیچ منجدھار میں پھنس چکے ہیں، جس میں سے ہمیں کوئی ترقی کی منازل طے کرتا ہوا سرکاری ملازم نہیں نکال سکتا۔ پاکستان ایک طویل عرصے سے مصنوعی تنفس پر چل رہا ہے۔ اس میں زندگی کی رَمق باقی نہیں ہے۔ قوم بے چاری جیسے تیسے گزارا کر رہی ہے، لیکن ہماری مقتدرہ کا بوجھ اس قدر زیادہ ہے کہ اس مردہ جسم میں جان ڈالنا قریباً ناممکن ہو چکا ہے۔ اس پر طُرّہ یہ کہ ہمیں 1971ء سے ملک توڑنے کا بھی اچھا خاصہ تجربہ ہے، معیشت کیا چیز ہے؟ لاکھوں انسانوں کی جانی قربانی بھی ہماری مقتدرہ کو ان انتہائی اقدامات سے نہیں روک سکی۔ ایسے میں رہی بات ہمہ گیر سماجی تبدیلی کی، تو اسے طوفان کے بعد اُٹھا رکھتے ہیں۔

یورپ اور امریکا کے معاشی مفادات کا ٹکراؤ

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ عالمی وبائیں عموماً جہاں سماجی ڈھانچے کو بھسم کرتی ہیں، وہیں عالمی طاقت کے توازن کو بھی بکھیر دیتی ہیں۔ گزشتہ صدی یعنی بیسویں صدی کے آغاز میں ایک مہلک وبا آئی، جس نے نہ صرف آبادی کے بہت بڑے حصے کو نگل لیا، بلکہ آگے چل کر عالمی طاقت اور اس کے مراکز کو بھی سزاوار ٹھہرایا۔ گزشتہ صدی کا بادشاہ اگلی صدی میں گماشتہ بن گیا۔ حالیہ صدی کے آغاز میں کووِڈ (Covid) نامی عالمی وبا نے پوری دنیا کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ معاشی اور سماجی ڈھانچوں کو جن جکڑبندیوں میں کسا گیا، ابھی تک اس کی گرفت ڈھیلی نہیں پڑی۔ آئندہ کے لیے طاقت کے توازن اور مراکز میں تبدیلی کے قرائن ظاہر ہونا شروع ہوگئے ہیں۔ سماجی ڈھانچہ اگرچہ اس کا عملی مظہر بنتا ہے، لیکن لیڈنگ رول یا مرکزی کردار ہمیشہ ٹیکنالوجی کا ہی رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ایشیا بحرالکاہل اور مشرقی یورپ کی اقوام اس رول کو خوب نبھاتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ وہ ٹیکنالوجی کے میدان میں سبقت لے رہی ہیں، جب کہ یورپ اور امریکا آپس کے معاشی مفادات کے تناؤ میں اُلجھتے جا رہے ہیں۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد دنیا دو بڑے بلاکوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک آزاد منڈی کا مرکز اور نمائندہ امریکا اُبھر کر سامنے آیا اور دوسرا بلاک کنٹرولڈ منڈی کا لیڈر بن گیا، جن میں ابتدائی طور پر سوویت یونین تھا' بعد میں چین نے یہ حیثیت حاصل کر لی۔ آزاد منڈی سے مراد اشیا و خدمات پیدا کرنے والے کاروباری ادارے جو چاہیں پیدا کریں اور انھیں جہاں چاہیں فروخت کریں، ریاست قیمتوں پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ کاروباری فرمیں اس سلسلے میں آزاد ہیں۔ سرمایہ دار دنیا نے اپنے غلبے کے عہد میں اس نظریے کے تحت اپنے معاشی مفادات کے تحفظ کے لیے مختلف قسم کے اجتہادی اقدامات اختیار کیے جن کا تصور ابتدائی عہد کے سرمایہ داری کے مفکرین نے نہیں دیا تھا، لیکن جب سے عالمی منڈی میں کنٹرولڈ معیشت والوں کا عمل دخل شروع ہوا ہے، یعنی ایسی منڈی جس میں اشیا و خدمات کی تیاری اور فروخت ریاستی نظم و ضبط کے تحت ہی فروغ پا سکتی ہے، آزاد منڈی والے اپنے بنیادی تصورات سے پیچھے ہٹنا شروع ہوگے ہیں۔ آج یورپ کے دو بڑے ممالک جرمنی اور فرانس نے امریکا کے صدر جو بائیڈن (Joe Biden) پر الزام لگایا ہے کہ اس نے آزاد منڈی کے کاروباری معاملات میں براہِ راست مداخلت کر کے اس کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ کیوں کہ آزاد منڈی کی معیشت میں اشیا و خدمات کی قیمتیں نظریۂ طلب و رسد کے توازن سے ہی طے پاتی ہیں۔ آج مارکیٹ میں افراطِ زر (Inflation) کے باعث قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ لہٰذا قیمتوں پر اثر انداز ہونے کے لیے جو بائیڈن نے پارلیمنٹ میں ایک بل ''انفلیشن ریڈکشن ایکٹ 2022'' (Inflation Reduction Act 2022) پر دستخط کر دیے ہیں، جو 25/ اکتوبر 2022ء سے نافذ العمل ہوگیا ہے۔

Holland & Knight 3rd November 2022 کی رپورٹ کے مطابق اس بل کا بنیادی مقصد امریکی عوام کو افراطِ زر کے باعث مختلف مصنوعات کی قیمتوں میں ہونے والے اضافے میں ریلیف یعنی سبسڈی تعاونی قیمت فراہم کرنا ہے۔ امینوئیل میکرون (Emmanuel Macron) اور جرمنی کے چانسلر اولف شلز (Olaf Scholz) نے 26/ اکتوبر 2022ء بروز بدھ کو ساڑھے تین گھنٹے طویل ملاقات کی ہے، تاکہ جو بائیڈن کو انفلیشن ریڈکشن ایکٹ کو واپس لینے پر مجبور کیا جاسکے۔ دونوں کا مؤقف ہے کہ اگر امریکا بل واپس نہیں لیتا تو یورپ کو بھی اس کے خلاف انتقامی کارروائی کرنی پڑے گی۔ کیوں کہ اس کی وجہ سے یورپ کی صنعت کو بہت بڑا خطرہ لاحق ہے۔ (POLITICO, 27-October 2022) حال آں کہ جرمنی اور فرانس کی آپس میں اکثر پھڈے بازیاں چلتی رہتی ہیں، لیکن معاشی مفادات کے ٹکراؤ نے انھیں امریکا کے مقابلے میں باہم ایک کر دیا ہے۔ امریکا یورپ میں کام کرنے والی کمپنیوں کو دعوت دے رہا ہے کہ وہ امریکا میں آ کر کاروبار کریں تو وہ انھیں مصنوعات کی تیاری میں بہت زیادہ ریلیف دے گا۔ مثلاً جرمنی میں کار بنانے والی کمپنیاں جو کہ اس کی معیشت کا بہت بڑا حصہ ہیں، اگر یہ کمپنیاں وہاں سے امریکا منتقل ہو جاتی ہیں تو امریکی عوام کو اپنے ملک میں تیار کردہ کاریں سستی دستیاب ہو جائیں گی۔ (Buy Amrican Act 2022) اس ایکٹ کی بدولت امریکیوں کے لیے امریکی مصنوعات کی خریداری سستی ہو جائے گی، لیکن جرمنی کا معاشی ڈھانچہ شکست و ریخت کا شکار ہونا شروع ہو جائے گا۔ کم و بیش یہی صورتِ حال فرانس کو درپیش ہونے جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ امریکا جو پہلے کلائمیٹ چینج (Climate Change) کے معاہدے سے باہر نکل گیا تھا، اب دوبارہ شامل ہو کر بہت بڑی سرمایہ کاری کرنے جا رہا ہے۔ مثلاً پہلے جو گاڑیاں دھواں چھوڑتی تھیں اور فضا کے مکدر کرنے کا سبب بن رہی تھیں، اب انھیں الیکٹرک گاڑیوں کی تیاری سے تبدیل کیا جائے گا۔

سرمایہ داری نظام دنیا میں اس وقت تک پھیلتا رہا' جب تک ٹکر' یا مقابلے کا کوئی پلیئر سامنے نہیں تھا۔ غریب اور کمزور ملکوں کے وسائل لوٹنے کا عمل جاری و ساری تھا۔ سامراج نے اپنے اونچے اور بلند تمدن کو سہارا دینے کے لیے اقوامِ عالم کو دن بہ دن پس ماندگی کے گہرے گڑھے میں دھکیلتا رہا۔ تیسری دنیا کے چھوٹے اور غریب ممالک کی آلۂ کار حکومتیں اپنے ہی ملکوں کو غریب سے غریب تر بناتی گئیں اور حکمران طبقے سامراجی ممالک سے انعام وصول کرتے گئے۔ جو ممالک کل تک امریکا کے لوٹ کھسوٹ کے عمل میں شریکِ کار تھے، آج جب امریکا کے پاؤں جلنے لگے تو اس نے اس جانور کی طرح جو اپنی ہولناک ہوس اور نہ ختم ہونے والی بھوک کی بھینٹ چڑھانے کے لیے اپنے ہی بچوں کو نگل جاتا ہے، کی طرح ان ملکوں کی بَلّی چڑھانا شروع کر دی ہے۔ یورپ میں نیٹو کے خلاف مظاہرے تو پہلے ہی ہو رہے تھے، اب یورپی یونین بھی اس کی نذر ہونے جا رہا ہے۔ کیوں کہ جنگ میں بنیادی مسئلہ تو پیداواری ذرائع یعنی تیل، گیس اور جدید یورنیم کی مدد سے تیار کردہ مہنگے ایندھن اور توانائی کی عدمِ دستیابی ہے۔ جب تک یورپ اپنے آپ کو امریکی چنگل سے آزاد نہیں کروالیتا' اس وقت تک یہ مسئلہ برقرار رہے گا۔

(تصحیح: گزشتہ شمارے میں صفحہ 7، کالم 1، نیچے سے سطر 7 اس طرح ہے: ''چیک جمہوریہ کے شہر'')

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

معاشرے کی ترقی کا واحد راستہ قرآن حکیم کی تعلیمات ہیں

24/ دسمبر 2021ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں 17 روزہ 'دورۂ تفسیر قرآن حکیم' کی افتتاحی نشست کے موقع پر خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! ہم قرآن کریم کا فہم اور اُس کا شعور حاصل کرنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس اجتماع کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہماری زندگیوں میں کتاب اللہ الحکیم کا نور اور اس کی تجلیات غالب ہوجائیں۔ انسانی معاشرے کے لیے ترقی کا واحد راستہ کتابِ مقدس قرآن حکیم سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس کے بغیر انسانی معاشرہ کامل طور پر ترقی کی منازل طے نہیں کرسکتا۔ اس لیے یہ لازمی اور بنیادی ضرورت ہے کہ ہر ایک مسلمان، بلکہ ہر ایک انسان کتابِ مقدس قرآن حکیم کی ہدایت کو قبول کرے، اس لیے کہ یہ کتاب کل انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے ہدایت نامہ ہے۔

قرآن حکیم میں بیان کی گئیں اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے روگردانی کرنا، انسانیت کا اپنی وجہِ تخلیق سے انکار کرنا ہے۔ انسان جس تنوع کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے، انسانیت جس مقصد کے تحت وجود میں آئی ہے، وہ مقصد تبھی پورا ہوگا کہ جب یہ نوعِ انسان اپنی انسانی خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے انسانوں کے خالق و مالک کے کلام اور اس کے فرامین اور احکامات کو دل و جان سے تسلیم کرے اور مانے، دلوں کے اندر یہ امانت داخل ہوجائے، رچ بس جائے، تبھی کامیابی ہوتی ہے۔

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو فرد جس محلے میں، جس شہر میں، جس ملک میں، جس قوم میں رہتا ہے، ان تمام دائروں کے جو نظم و نسق قائم کرنے والے حاکم ہیں، اُن کے احکامات کی پیروی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ نہ گھر گھر بنے گا، نہ محلّہ محلّہ رہے گا، نہ شہر بسے گا، نہ کوئی ریاست وجود میں آئے گی، نہ کوئی قوم اپنی شناخت پیدا کرسکے گی۔ اور نہ ہی بین الاقوامی سماج انسانی خصوصیات کا حامل ہوگا۔ یہ تمام ایسی لازمی ضرورتیں اور تقاضے ہیں، جن سے کوئی مفر نہیں ہے۔ بھاگنے کا، فرار کا کوئی راستہ نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اس کائنات کا بھی ایک دائرۂ کار ہے، جس میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ اس دائرۂ زمین و آسمان میں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے قرآن حکیم کی ہدایات کو ماننا از حد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اگر تمھیں ہمارا یہ ڈسپلن اور ہدایت قابل قبول نہیں ہے تو میرے آسمان و زمین کے دائرے سے باہر نکل جاؤ (55-الرحمٰن: 33)۔ گویا راستہ کھلا ہے۔ میں نے تمھارے لیے جو زمان و مکان بنا دیا، ٹائم اینڈ سپیس تمھارے لیے مقرر کردیا، تمھیں یہ پسند نہیں ہے، یہ زمانہ پسند نہیں ہے، جس میں تم اس دنیا میں آئے ہو، تمھیں یہ سپیس پسند نہیں ہے، تو کسی اَور زمان و مکان میں چلے جاؤ، یقیناً تم نہیں جاسکتے۔ اس لیے میری ہدایات کو اپنے اوپر لازم کرلو''۔

قرآن حکیم کا موضوع انسانی سماج ہے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا:

''قرآن حکیم کی تلاوت اور اُس کے فہم کے لیے ضروری ہے کہ کتابِ مقدس قرآن حکیم کا موضوع سمجھا جائے۔ ہر کتاب کوئی نہ کوئی موضوع رکھتی ہے۔ کوئی میڈیکل سائنس کی کتاب ہے، کوئی فزکس کی ہے، کوئی کیمسٹری کی ہے، کوئی ادب کی ہے، کوئی صَرف اور گرائمر کی ہے، کوئی الفاظ کی لغوی اور نحوی اصولوں کی چھان پھٹک کی ہے۔

کسی بھی علم اور کتاب کے موضوع سے متعلق تمام اہلِ علم ایک اُصول اور ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی چیز کے ''لوازمِ ذاتیہ'' (اس چیز سے وابستہ لوازمات) سے بحث کی جائے تو وہی اُس کا موضوع ہوتا ہے۔ ایک طبیب اور حکیم انسانی جسم کی جسمانی صحت اور مرض سے بحث کرتا ہے تو اُسے طبیب اور ڈاکٹر کہتے ہیں۔ اس کی تمام کتابوں کا موضوع یہ ہوگا کہ جسمِ انسانی کی ساخت کیا ہے؟ اور اس جسمِ انسانی میں حالتِ صحت اور مرض کا معیار کیا ہے؟ گویا میڈیکل سائنس کا موضوع انسانی جسم ہے۔

اسی طرح جو لوگ انسانی روحوں کا علاج کرنے والے ہیں، وہ روح کے امراض پر بحث کرتے ہیں کہ روح صحت مند ہے یا مرض کی حالت میں ہے۔ حضرات انبیا علیہم السلام نہ صرف روح، بلکہ جسم اور ان دونوں کے اجتماعِ انسانی سے متعلق باہمی تعلقات کو زیرِ بحث لاتے ہیں۔ اس لیے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انبیاؑ کا ہدف دو چیزیں ہوتی ہیں: تہذیبِ نفس اور سیاستِ مدینہ یعنی اجتماعی تقاضوں کی تکمیل کے لیے سیاسی نظم و نسق۔ نفس کو درست کرنا، مہذب بنانا، اس کی بڑھی ہوئی خواہشات کو کاٹ دینا۔ اور جو اعلیٰ اَخلاق ہیں، روح کے اصل تقاضے ہیں، انھیں صیقل کرکے صاف ستھرا بنا دینا، پاک صاف بنا دینا، تزکیہ کرنا۔ اور دوسرے یہ کہ یہ انسان جو اپنے شہر، اپنے گھر، اپنے محلے سے لے کر بین الاقوامی سماج کا ایک رُکن ہے، تو اس کے اجتماعی و سماجی، سیاسی اور معاشی تعلقات کیسے ہونے چاہئیں؟ ان پر انبیا علیہم السلام رہنمائی فرماتے ہیں۔

روح اور جسم کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جتنے بھی انسان کے جسمانی اعمال ہیں، اور جتنے بھی اس کی روح کے اعمال ہیں، دونوں کا تعلق سماج سے ہے۔ روح بیمار ہو تو تب بھی سماج ٹھیک نہیں ہوتا۔ حسد، کینہ، بغض، عداوت کی عادت ہو تو روح بیمار ہوتی ہے، انسان ان برائیوں کی وجہ سے خود بھی جلتا بھنتا ہے اور اپنے خاندان کو بھی متأثر کر رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر جسم خراب ہو، لوٹ کھسوٹ اور مار دھاڑ کی عادت ہو تب بھی فساد برپا ہوتا ہے۔ انسانوں کے ان روحانی و جسمانی امراض کا اثر بین الاقوامی سطح تک پڑتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں انسانوں کی روحیں بھی بیمار تھیں اور جسم بھی بیمار تھے۔ قیصر و کسریٰ دنیا پر مسلط تھے، اور جزیرۃ العرب کا جو کچھ علاقہ ان دو طاقتوں سے بچا ہوا تھا، وہاں ابوجہل قابض تھا، جو ظلم اور ناانصافی کا مرکز اور منبع تھا۔ ایسے موقع پر قرآن نازل ہوتا ہے اور وہ انقلاب کا پیغام دیتا ہے۔ اس لیے قرآن کا موضوع ''انسانی سماج'' ہے''۔

قرآن حکیم
اور سماجی تبدیلی کا نظریۂ انقلاب

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا:

’’آج برطانوی اور امریکی سامراج کے زیر سایہ پلنے والے اسلام کے نام نہاد مُتجدِّدین کہتے ہیں کہ جی اسلام کا سماج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس اسلام اور قرآن حکیم فرد کی اصلاح کے لیے آیا ہے۔ ذرا اُن سے پوچھا جائے کہ یہ فرد انسانی سماج سے ماورا کوئی اَور چیز ہے؟ ’فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں‘۔ وہ اجتماع کا حصہ ہے اور اس کے اَخلاق بھی تبھی ظاہر ہوں گے، جب وہ کسی اجتماعی نظام کے اندر رہے گا۔

یاد رکھیں! انفرادیت کے نام پر قرآن کے مطالعے کا حقیقی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بنیادی طور پر دینِ اسلام اپنے اَخلاق کا، اپنے نظام کا، عدل کا، اعلیٰ اَخلاق کا غلبہ چاہتا ہے۔ اور وہ غلبہ انسانیت گیر اجتماعی سوچ، اجتماعی سیاست، مجموعی معیشت، نفعِ انسانیت کی تہذیب و کلچر کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ گویا قرآن حکیم کا مقصد انسانی سماج میں انقلاب برپا کرنا ہے۔ قرآن حکیم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوا اور محمد مصطفیٰ ﷺ آئے تو ابوجہل کی جہالت، ظلم، ناانصافی پر مبنی حکومت تھی، اور دنیا سے تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکرؓ کی عدل و انصاف اور علم پر مبنی حکومت قائم تھی۔ یہ انقلاب نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ جی انقلاب پتہ نہیں کہاں سے نکال لیا۔ اس سے بڑی اَور کیا بات ہوگی؟

ادارہ رحیمیہ میں دورۂ تفسیر قرآن حکیم پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے کا ہمارا مقصد یہ ہے کہ جیسے رسول اللہ ﷺ نے تیئیس سالہ زندگی میں انقلاب برپا کیا، غلبہ دین کے لیے کام کیا، صحابہؓ نے قربانیاں دیں، قیصر و کسریٰ کے نظام توڑے، دنیا بھر میں اولیاء اللہ، علمائے ربانیین نے انقلابات کے لیے راہ ہموار کی، اس کے لیے جدوجہد اور کوشش کی، دنیا بھر میں دین غالب کیا، ہمیں ان اولیاء اللہ کے تناظر میں قرآن حکیم کی سمجھ آجائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اُس معاشرے میں شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت کی بنیاد پر معاشرے میں انقلاب برپا کیا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ’’پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں، اور ان کو سنوارتا ہے، اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقل مندی‘‘۔ (62-جمعہ:2) اس نظریے کے ساتھ اگر ہم قرآن حکیم پڑھیں اور سمجھیں گے تو پھر تو اُس نورانی لڑی کے ساتھ اپنے آپ کو پرو دیں گے، جو اللہ نے ایک نورانی رسّی کی صورت میں دنیا میں لٹکا رکھی ہے، اور جس نے انسانی معاشرے کے اندر اس کرۂ ارض پر اللہ کے دین کے غلبے کے لیے کام کیا۔ اور اگر اس دائرے سے ہٹ کر بات ہوگی، تو سمجھ لو کہ گمراہی ہے۔ اصل راستے سے انحراف ہے، رسم ہے، ظاہری شکل و صورت ہے، حلق سے اوپر اوپر قرآن حکیم پڑھنا پڑھانا ہے۔ اور دراصل اُس منظرنامے کا سامنے آنا ہے، جس کو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ’’مَساجِدُھُم عامِرۃ، و ھی خراب مِن الھُدیٰ‘‘ (مشکوٰۃ) مسجدیں بھری ہوئی ہوں گی، لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی۔ اس زمانے میں قرآن صرف رسم رہ جائے گا۔ حلق سے اوپر اوپر رہ جائے گا۔ اسلام رسم ہوگا۔ اس کا تعلق دل و دماغ سے نہیں ہوگا‘‘۔

قرآن حکیم کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ اس کے نظریے کو عملی زندگی کا حصہ بنائیں

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا:

’’ہمارا بنیادی ہدف ہے کہ آج اس فتنے کے زمانے میں جو فتنوں کو قبول کرنے والے دل ہیں، ان سے پناہ مانگنا اور جن حضرات نے دلی جرأت اور جسمانی ہمت کے ساتھ فتنوں کا مقابلہ کیا ہے، ان کے افکار، ان کے خیالات، ان کی تعلیمات کی روشنی میں قرآن حکیم کی تعلیمات کو سمجھنا ہے۔ یہ ہمارے اس دورۂ تفسیر کی بنیادی خصوصیت ہے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور اس پوری اجتماعیت، ولی اللّٰہی جماعت -جس کا پاکستان میں ساٹھ سال تک حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے تعارف کرایا- کے تسلسل کو سامنے رکھ کر قرآن کا فہم، شعور حاصل کرنا اور اجتماعی نقطہ نظر سے چیزوں کو دیکھنا ہے۔

یہ دورۂ تفسیر کوئی رسم نہیں ہے، یہاں صرف یہ مقصد نہیں ہے کہ کچھ آیتوں کے خالی ترجمے سکھا دیے جائیں، محض علم میں اضافہ ہوجائے۔ کیوں کہ خالی علم نفع بخش نہیں ہوتا، جب تک کہ عمل نہ کیا جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اُس آدمی کے بارے میں ڈر ہے کہ ’’عَالِمٌ بِاللِّسَانِ جَاهِلٌ بِالْقَلْب‘‘ (ازالۃ الخفاء) (جس کی زبان تو بڑی عالم ہے، لیکن دل جاہل ہے)۔ ایسے آدمی سے پناہ مانگو۔ ہمیں یہاں جو علم حاصل ہو، وہ ہمارے دل میں بھی اُترے، ہمارے وجود کا حصہ بھی بنے، ہمارے معمولات کا حصہ بھی بنے، اس کے ذریعے ہمارے اَخلاق بھی درست ہوں۔ اسی لیے اس دورۂ تفسیر کی اجتماعیت کو قائم کیا گیا ہے۔ ہم نے محض لغت دیکھ کر قرآن پاک کی آیات کے صرف ترجمے نہیں سیکھنے، جس طرح عام رواج ہے، بلکہ ترجمے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس اجتماعی ماحول میں اپنے اعمال کو درست کرنا ہے۔ ہمارے وہ نوجوان جن کو صحیح طریقۂ نماز نہیں آتا، صحیح طریقۂ نماز سیکھیں۔ جو دینی مسائل فرائض و واجبات سے تعلق رکھتے ہیں، وہ سیکھیں۔ اللہ کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے ذکر اذکار کو صحیح طریقے سے سیکھیں۔

تہذیبِ نفس دونوں دائروں میں ضروری ہے: سیاسی شعور کے حوالے سے بھی اور اپنی روحانیت کو درست کرنے کے حوالے سے بھی۔ ہم ایک ایسے ماحول میں یہاں رہیں، جس میں ہم اپنے نفس کا محاسبہ کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جس نے روزے رکھے اپنے ایمان اور اپنے احتساب کے نظریے کے ساتھ تو اُس کے غفلت کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں‘‘۔ (صحیح بخاری) گویا تب آدمی نئے دائرے کے اندر داخل ہوتا ہے۔ پچھلے سب غلط نظریات ختم کر کے نئے عزم، نئے ایمانی نظریے اور نئی اجتماعیت کے ساتھ ہم کردار ادا کریں۔ اجتماعیت کے لیے اپنی سوچ بنائیں، انسانی سماج کو سمجھیں اور سماج کے مسائل کو حل کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کریں۔

یہ وہ بنیادی سوچ ہے جو ہمیں اس دورۂ تفسیر میں اپنے سامنے رکھنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم کا صحیح فہم و شعور نصیب فرمائے۔ اور اس کے مطابق اپنے آپ کو مہذب بنانے، اس کے لیے جدوجہد کرنے، منظّم رہنے آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین!)‘‘۔

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

سیّد العلما حضرت مولانا سیّد احمد حسن محدث امروہیؒ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بے شمار شاگردوں نے علم و عمل کے میدان میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ انھیں حضراتِ قدسی صفات میں ایک اہم نام سیّد العلما حضرت مولانا سیّد احمد حسن امروہی کا بھی ہے۔ آپؒ کی پیدائش ۱۲۶۷ھ / 1850ء میں سیّد اکبر حسین رضویؒ کے ہاں امروہہ میں ہوئی۔ آپؒ ساداتِ رضویہ میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم امروہہ میں ہی حاصل کی۔ علمِ طب کی تحصیل امروہہ میں رہ کر کی۔ 1861ء میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنے آبائی شہر نانوتہ میں درس و تدریس کا آغاز فرما چکے تھے، لہٰذا مولانا ممدوحؒ ابتدائی تعلیم کے بعد نانوتہ تشریف لے گئے۔ نانوتہ، میرٹھ اور دیوبند میں رہ کر قاسم العلوم والخیراتؒ سے تحصیلِ علم کیا۔ مولانا موصوفؒ حضرتؒ کے اسفار میں بھی ان کے ساتھ رہے اور تعلیم کے حصول کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ حضرت نانوتویؒ کے علاوہ آپؒ کے اساتذۂ کرام میں مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ، قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مکیؒ بھی شامل ہیں۔ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے آپؒ کو اجازت و خلافت حاصل ہوئی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس دور میں تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا، تاکہ حریت پسندوں کی رہنمائی اور اگلے دور کی جماعت سازی کے لیے رجالِ کار تیار کیے جاسکیں۔ یہی تعلیمی و تربیتی مشن مستقبل میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد بنا تھا۔ موصوفؒ بھی اس تعلیمی مشن میں شامل ہوگئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حکم سے آپؒ خورجہ (ضلع بلندشہر) تشریف لے گئے، جہاں مدرسہ قاسمیہ میں بہ حیثیت صدر مدرّس درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور مولانا فخرالحسن گنگوہیؒ بھی آپؒ کے ساتھ رفیقِ مدرّس تھے۔ اسی دوران 1876ء میں مولانا نانوتویؒ کے ہمراہ حجِ بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ کچھ عرصے تک جامع مسجد سنبھل (یو۔پی) سے متصل مدرسے میں بھی مدرّس کی ذمہ داریاں نبھائیں۔

جب حضرت نانوتویؒ کے ایما پر مدرسہ شاہی مرادآباد کی بنیاد رکھی گئی تو مولانا موصوفؒ وہاں تشریف لے گئے اور حضرت نانوتویؒ نے اپنے صاحب زادے حافظ محمد احمدؒ کو بھی ان کے پاس تحصیل علم کی غرض سے بھیجا۔ 1886ء تک آپؒ مدرسہ شاہی مرادآباد میں صدر مدرّس اور شیخ الحدیث رہے۔ 1895ء میں سرپرست دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی مشاورت سے آپؒ کو مجلسِ شوریٰ کا ممبر نامزد کیا گیا۔

قادیانیت کے خلاف آپؒ نے بہت سرگرم کردار ادا کیا۔ اپنی تقاریر اور تحاریر کے ذریعے اس فتنے کا مقابلہ بھی کیا اور بے شمار لوگوں کو اس چنگل میں پھنسنے سے بچایا۔

ہندوستان اس دورانیے میں اس دور سے گزر رہا تھا، جس میں ایک طرف انگریز مشنری اسلام کی تعلیمات میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے تھے اور دوسری طرف قادیانیوں جیسے مرتدین بھی اس میں پیش پیش تھے۔ قافلۂ نانوتویؒ نے بقول امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ؛ منفی فکری حملے کی ہر محاذ پر سرکوبی کی۔ اسی کے ساتھ ساتھ دوسرا چیلنج وطنِ عزیز کی آزادی کی جدوجہد میں کردار ادا کرنا تھا۔

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد حریت پسندوں کی تربیت کے لیے دارالعلوم دیوبند کا ادارہ قائم کیا گیا تو اسی جدوجہد کے ذیل میں 1909ء میں ''جمعیت الانصار'' کا قیام عمل میں آیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی سربراہی میں قائم ہونے والی اس تحریک میں جہاں دیگر علمائے کرام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، انھیں حضرات میں مولانا سیّد احمد حسن امروہیؒ کا نام بھی سرِفہرست ہے۔ ''جمعیت الانصار'' کے پہلے 6 اجلاسات مولانا موصوفؒ ہی کی صدارت میں منعقد ہوئے تھے۔ مرادآباد میں ہونے والے ''مؤتمر الانصار'' کے جلسے کی صدارت بھی آپؒ ہی نے کی تھی۔ اس جلسے کے کامیاب انعقاد کے بعد ہی مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا موصوفؒ کی باہمی کاوشوں سے اس تحریک کو بالخصوص شمالی ہندوستان اور بالعموم پورے ہندوستان میں پذیرائی ملی۔ ایسے ہی حضرات کی مساعی کا نتیجہ نکلا کہ 1919ء میں ''جمعیت علمائے ہند'' کا قیام عمل میں آیا۔

بہ قول مولانا سیّد محمد میاںؒ: ''مولانا احمد حسن امروہیؒ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے انتہائی محبوب شاگرد تھے۔ تبحرِ علمی میں مولانا نانوتویؒ کے صحیح جانشین مانے جاتے تھے۔ سیاسی خیالات میں حضرت شیخ الہندؒ کے رفیق تھے''۔ مولانا موصوفؒ کا سیاسی نکتہ نظر وہی تھا جو اس وقت کے حریت پسندوں کا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ اکثر اوقات اُمور کی انجام دہی میں پیش آمدہ مشکلات میں مشاورت کے لیے ان سے بھی رجوع کرتے اور کئی دفعہ خود امروہہ تشریف لے جاتے تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تحریر کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپؒ کی تحریرات میں: ''افاداتِ احمدیہ''، ''ازالۃ الوسواس''، ''فتاویٰ احمدیہ'' اور مکتوبات شامل ہیں۔

۲۹ / ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ / 19 / مارچ 1912ء کو بخار کی شدت میں اضافہ ہوا اور حالتِ ذکر میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ نمازِ جنازہ حافظ محمد احمدؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے پڑھائی۔ جامع مسجد امروہہ کے جنوب کی طرف تدفین ہوئی۔

حضرت شیخ الہندؒ نے آپؒ کی وفات پُریاس پر جو قطعہ تاریخ لکھا، وہ یہ ہے ؎

با دِلِ پُر یاس آئی کان میں میرے صدا
حَکّ ہوئی تصویرِ قاسم صفحۂ دُنیا سے لو
۰ ۳ ۳ ۱ھ

مولانا موصوفؒ ولی اللّٰہی قافلے کی ہر دل عزیز شخصیات میں سے تھے۔ جمعیت الانصار کے تحت ہونے والے مؤتمر الانصار کے دوسرے جلسے منعقدہ میرٹھ میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ان کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا اور ان سے دعا کروائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان اکابرین کے فکر و عمل کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

بیابہ مجلسِ شیخ — مرتب: مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ

دین کے غلبے کے لیے عشق ضروری ہے

افادات: سیّدالطائفہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ

(۵/صفر ۱۳۶۶ھ/9/جنوری 1947ء بروز جمعرات)

نمازِ فجر کے بعد صبح کی سیر میں یہ بات چل رہی تھی کہ فی زمانہ پہلے زمانے کی نسبت قوائے انسانی کمزور ہیں۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ: ''ہاں! قویٰ کی کمزوری تو ہے، مگر ہماری پست ہمتی کی وجہ قویٰ کی کمزوری سے زیادہ عشق کا فقدان ہے۔ عشق (سب کمزوریوں کی تلافی کر دیا کرتا ہے''۔ احقر نے عرض کیا کہ: حضرت! عشق کے فقدان میں بھی قویٰ کی کمزوری کو کچھ دخل ہے؟ فرمایا: ''ہاں!! دخل تو ایک بڑی حد تک ہوتا ہے، مگر عشق ہو تو قویٰ کی کمزوری کی تلافی ہو جایا کرتی ہے اور عشق ویسے بھی ہے تمام تر قویٰ ہی کی قوت پر منحصر نہیں''۔ احقر نے اس پر اپنا کاظمی صاحب کے الیکشن (1946ء) کے کئی روزہ مفصل دوروں کے بعد آخری دن صبح سے عشا تک کے مسلسل سفر کے بعد رات دن کی بھاگ دوڑ اور رات دن کی بے آرامی سے تھکن اور نیند کا اس طرح اڑ جانے کا عرض کیا اور بعدہٗ اتنی تھکن نیند بلکہ پاؤں کے آبلوں کی ٹیس ایسے ابھر آئی گویا سینکڑوں میل سفر کر کے آنا ہو رہا ہے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا: ''میں اس وقت یہی بات تو تم سے سننا چاہتا تھا، یہ سب عشق کی کارفرمائیاں ہیں۔ عشق جملہ کمزوریوں کا علاج ہے''۔ اسی وقت میں نے کل والا سوال عرض کیا تو حضرت والاؒ نے فرمایا کہ: ''علما کو کام کرنے کا بے حد میدان ہے، مگر ان میں عشق کارگر نہیں''۔

میں نے عرض کیا کہ: حضرت! عشق کارگر نہ سہی، مگر احساسِ کار تو ہے۔ جب کام کرنا چاہتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ طلبا ندارد، جن کو دین پڑھائیں۔ نیز اہل و عیال نہ ہو، اس کو کم از کم اپنے لیے قُوتِ لایموت (روٹی روزی) تو ضروری ہے۔ اس سے آخر انسان کو چارہ کار نہیں ہے اور جان کی حفاظت فرض ہے۔ اور کوتاہی گناہ۔ فرمایا کہ: ''علما اگر اشاعتِ دین میں کوتاہی کریں، وہ بھی تو گناہ ہے۔ آخر حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی دقتیں پیش آئیں۔ انھوں نے سوائے اصحابِ صفہ کے معاشی کاروبار میں بھی حصہ لیا، مگر دینی کام کو مقدم اور حاوی رکھتے ہوئے کہ کام کاج زندگی کا ضمیمہ تھا اور معاشی کام کاج کا دینی کام ضمیمہ نہیں تھا''۔

مولانا عطا محمد صاحبؒ نے فرمایا کہ شادی نہ کرے روزے رکھ لے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ: ''ہاں کسی بزرگ سے کسی نے عرض کیا کہ: حضرت! آپ شادی نہیں کرتے کہ سنت ہے؟ فرمایا کہ: بھائی ہر کام کا وقت ہوتا ہے، خدا کو منظور ہوگا تو اپنے وقت پر شادی بھی ہو جائے گی۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر سنت کو بروقت ادا کرتے ہی رہنا بھی سنت ہے۔ آخر حضور ﷺ کا بھی ایک زمانہ تھا شادی نہیں ہوئی تھی۔ ایک دور تھا کہ گھر سے (اہل و عیال کو) ساتھ لے کر مدینہ منورہ کو نہیں چلے تھے اور ایک دور تھا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا اور حکمِ الٰہی کے ماتحت دین کو مقدم کرنے والی زندگی پر اگر (بیوی) زیب و زینت کو ترجیح دیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے یہ سورۂ احزاب میں ہے اور پھر توبہ وغیرہ کر لے تو رکھ لیا جائے۔ اگر اہل و عیال ہوں تو ان کو بہلاتا پھسلاتا رہے۔ میں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا، اب آتا ہوں اور اتنے دن تک آ جاؤں گا۔ مولانا عطا محمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جب نکاح ہو جائے تو نان نفقہ تو واجب ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ: ''اس میں حضور ﷺ کا اسوہ تو بیان کر ہی دیا گیا ہے، باقی دوسرے زاویہ سے دیکھو تو آنکھ کی اوٹ میں پہاڑ ہے''۔ احقر نے بھی مولانا عطا محمد صاحبؒ کی تائید میں عرض کیا کہ: حضرت! حضور ﷺ کے زمانے میں خلافِ دین مفاخر نے معاشیات پر ایسا ہمہ گیر قبضہ نہ کر رکھا تھا، جیسا آج کل ہے کہ ایک دانہ بھی باطل نظام کے تعاون کے بغیر میسر نہیں آ سکتا۔

ہمارے سب کے جواب میں حضرت والاؒ نے فرمایا کہ: ''آخر قرآن پاک میں حضور ﷺ کے لیے آتا ہے کہ ''دین پر جما رہ اور اپنے اہل و عیال کو جمائے رکھ'' اور بعد میں فرمایا: ''ہم تم سے رزق کا سوال نہیں کرتے''۔ (20-طٰہٰ: 132) نیز فرمایا کہ: ''اور آسمان میں تمھارے لیے رزق ہے''۔ (51-الذاریات: 22) آخر یہ سب کچھ ان حضرات علمائے کرام نے پڑھا ہے یہ کس لیے ہے؟'' اس پر علمائے کرام نے بعض اعتراض وارد کیے مگر حضرت والاؒ خم ٹھونک کر سب کا جواب دیتے رہے۔ اور فرمایا:

''آپ لوگوں کو خلوص پیدا کرنا چاہیے۔ ان چیزوں کے لیے نہیں بلکہ اشاعت اسلام اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے دین کی دعوت دینی چاہیے اور تبلیغ کا سلسلہ پہلے اپنے نفس سے شروع کرنا چاہیے کہ اول بنفس نفیس اور پھر دوسروں کو کرے''۔

بقیہ اَخلاق کی درستگی کے لیے دس مسنون ذکر و اذکار

''اللّٰھُمّ ! أنتَ رَبِّی، لا إلٰه إلّا أنتَ، خَلَقْتَنِیْ و أنا عَبْدُکَ، و أنا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ، أعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ، و أَبُوْءُ بِذَنْبِیْ، فَاغْفِرْ لِیْ، فَإنّه' لا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إلّا أَنْتَ''. (اے اللہ! تُو میرا ربّ ہے۔ تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ تُو نے مجھے پیدا فرمایا۔ میں تیرا بندہ ہوں۔ میں اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا، اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ آپ کے جو انعامات مجھ پر ہیں، میں ان کا اقرار کرتا ہوں، اور اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ مجھے بخش دے، کیوں کہ صرف تُو ہی گناہ معاف کر سکتا ہے۔) (رواہ البخاری: 2306، مشکوٰۃ: 2335)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے دل پر غفلت کا پردہ آ جاتا ہے تو میں ایک دن میں سو مرتبہ اللہ کے سامنے استغفار پڑھتا ہوں''۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، حدیث: 2324)

میں (شاہ ولی اللہ) کہتا ہوں کہ: غفلت کے اس پردے کی حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ کی طرف سے اس بات پر مامور تھے کہ آپؐ عام مسلمانوں کے ساتھ ایسی حالت میں رہیں کہ جو مَلَکیت اور بہیمیت کا اِمتزاج ہو، تاکہ لوگوں کے لیے رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں اور ان تمام اُمور میں اپنے ذوق اور وِجدان سے بہترین طریقہ بتلائیں، نہ محض قیاس اور اندازے سے کوئی بات بتلائیں۔ عام لوگوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے آپؐ کے قلب پر سہو اور غفلت کا پردہ آ جاتا تھا۔ واللہ اعلم''۔ (باب الاذکارِ و ما یتعلّق بھا)

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

خوش خبری

امسال بھی ادارہ رحیمیہ لاہور میں
17 روزہ ''دورۂ تفسیر قرآن حکیم'' کا انعقاد

گزشتہ سالوں کے معمول کے مطابق اس سال بھی ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کے زیرِنگرانی 17 روزہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم منعقد کیا جا رہا ہے، جس کی تفصیلات درجِ ذیل ہیں:

آغاز: 23/دسمبر 2022ء/ ۲۸/جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۴۴ھ بروز جمعہ

اختتام: 8/جنوری 2023ء/ ۱۵/جمادیٰ الاخریٰ ۱۴۴۴ھ بروز اتوار

اس دورۂ تفسیر قرآنِ حکیم میں:

1۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اصولِ تفسیر
2۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے اُسلوبِ تفسیر
3۔ امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تفسیری نکات کی روشنی میں قرآنی علوم و معارف کا بیان ہوگا۔

خصوصیات دورۂ تفسیر قرآن حکیم

اس دورۂ تفسیر کی خصوصیات درجِ ذیل ہیں:

☆ قرآنِ حکیم کی سورتوں کے مضامین کا جامع خلاصہ اور اس کے اہم نکات کا بیان
☆ شریعت کے حوالے سے اہم قرآنی موضوعات پر لیکچرز کا اہتمام
☆ اَخلاقی تربیت اور تزکیۂ نفس کے لیے دینی اور روحانی ماحول
☆ قرآن حکیم کے بیان کردہ سیاسی، سماجی، معاشی اصولوں کی نشان دہی
☆ دورِ حاضر کے اہم عمرانی مسائل کے حوالے سے قرآنی افکار سے متعلق آگہی

اس دورۂ تفسیر میں شرکا کی رہنمائی کے لیے ملک بھر کے چنیدہ مفتیانِ کرام، دانشورانِ عظام، پروفیسرز اور ڈاکٹرز حضرات قرآنی موضوعات پر لیکچرز دیں گے۔ موسمِ سرما کی تعطیلات میں دینی مدارس، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیز کے طلبا اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے بڑا موقع ہے کہ وہ اس دورۂ تفسیر سے بھرپور استفادہ کریں۔

اس دورۂ تفسیر میں شرائط کے مطابق داخلہ لے کر قرآنی فکر و شعور سے آگہی حاصل کریں۔ دینی تقاضوں کی تکمیل کے لیے روحانی، اَخلاقی اور اجتماعی تربیت کے حوالے سے دینی ماحول کے اس اہم موقع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

نوٹ: اس دورۂ تفسیر میں شریک ہونے والے احباب اپنی آمد سے قبل ادارہ رحیمیہ لاہور کی انتظامیہ کو ضرور مطلع کریں، تاکہ انتظامات میں آسانی ہو۔ نیز موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لے کر آئیں۔

حافظ محمد شفیق (ناظم دفتر ادارہ) رابطہ نمبر: 0321-6455369

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال ایک شخص کا انتقال ہوگیا۔ اس کی ایک بیوہ ہے۔ نیز اس کی تین بیٹیاں تھیں، جن میں سے دو کی وفات اس کی زندگی میں ہی ہوگئی تھی، البتہ ایک بیٹی زندہ ہے۔ کیا متوفی کی بیوہ اور زندہ بیٹی کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی میں وفات پا جانے والی بیٹیوں کی اولاد کو بھی وراثت میں حصہ ملے گا؟

جواب متوفی کی زندگی میں فوت ہونے والی بیٹیاں یا ان کی اولاد شرعاً اس کے ترکے کی حق دار نہیں ہوں گی۔ متوفی کے ترکے کی حق دار صرف زندہ بیٹی اور بیوہ ہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی ذوالفروض یا عصبات میں سے زندہ ہو تو وہ وارث بنے گا۔

(کذا فی السّراجیہ فی المیراث)

سوال 1۔ آدمی صاحبِ نصاب کب ہوتا ہے اور کتنے نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟
2۔ لگژری گاڑی اور دو کانوں یا نقدی کتنی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی؟

جواب زکوٰۃ اس مال پر فرض ہوتی ہے جو:

(الف) یا تو حقیقتاً بڑھنے والا ہو یعنی توالد و تناسل اور تجارت سے بڑھنے والا مال مثلاً گائے، بیل، بھینس وغیرہ، چوپائے اور مالِ تجارت وغیرہ،

(ب) یا حکماً بڑھنے والا ہو یعنی اگرچہ حقیقتاً تو نہیں بڑھتا لیکن مالک اگر اس کو بڑھانا چاہے تو وہ اس پر قادر ہوتا ہے مثلاً روپیہ پیسہ یا سونا چاندی جو کسی کے پاس ہو۔

لہٰذا صاحبِ نصاب سے مراد یہ ہے کہ جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا باون تولہ خالص چاندی ہو یا ساڑھے سات تولہ سونے کی مالیت کی رقم موجود ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

ذاتی استعمال کی اشیا پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی خواہ وہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں۔ اگر کسی کے پاس کچھ سونا ہے چاندی نہیں ہے اگرچہ اس کی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہو، زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں۔ (کفایتُ المفتی، ج:4، ص:255)

بقیہ فلسفۂ تاریخ و عمرانیات کا بانی؛ علامہ ابن خلدونؒ

ابنِ خلدونؒ کی یہ خصوصیت ہے کہ انھوں نے پہلے مؤرّخین کی طرح تاریخی واقعات کو سن وار بیان نہیں کیا، بلکہ ہر ہر معاشرے اور حکومتوں کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ مغربی اقوام کا نقشہ جس دقتِ نظر سے کھینچا ہے، وہ آج بھی ویسا ہی ہے۔ واقعات کے ذکر کرنے میں کشادہ دلی اور بے تعصبی کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ جب سپین کے عیسائیوں کے واقعات بیان کرتے ہیں تو اپنی مؤرخانہ روِش کو تنگ نظری سے آلودہ نہیں کرتے۔ انھی اصول و قوانین کا نام ''مقدمہ ابنِ خلدون'' ہے۔ (جاری ہے)

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔